

فہم حدیث

کلام نبویؐ کی صحبت میں

خرم مراد

حضرت صہب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی کیا عجیب ہے! اسے جو کچھ بھی پیش آئے، وہ اس کے لیے سراسر خیر ہوتا ہے۔ اور یہ دولت مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ (اللہ کا) شکر کرتا ہے، اور (اس طرح) نعمت اس کے لیے واقعی خیر بن جاتی ہے۔ اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (اللہ کے لیے) صبر کرتا ہے، اور (اس طرح) مصیبت بھی اس کے لیے سراسر خیر بن جاتی ہے (مسلم، بحوالہ دیباچہ الصالحین، باب الصبر)۔

زندگی کا ہر معاملہ، ہر لمحہ، دو میں سے ایک حالت سے خالی نہیں: نعمت، آرام، خوشی، نفع، یا مصیبت، تکلیف، رنج، نقصان۔۔۔ خواہ ہمیں بعض اوقات نعمت اور نفع نقصان کا شعور نہ ہو۔ نعمت کا احساس ہو تو ہم خوش ہوتے ہیں، اسے خیر سمجھتے ہیں۔ لیکن وقت گزرتا ہے تو خوشی بھی گزر جاتی ہے، اور آخری سانس کے ساتھ تو ہر راحت، ہر نفع اور ہر خوشی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ تو یہ خیر کیا خیر؟ لیکن اپنی بساط بھر اللہ کا شکر کرنے، اور اس شکر کا حق ادا کرنے سے یہ ختم ہونے والی بے حقیقت نعمت اور خوشی ہمیشہ کی اور ہمیشہ بھاننت اور خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے: واقعی خیر بن جاتی ہے۔

بعض نعمتوں کے نعمت ہونے کا تو شعور بھی ہوتا ہے، اور ان پر خوشی بھی۔ لیکن بہت بڑی بڑی ناقابل تصور نعمتیں ہر لمحہ ہمارے اوپر برستی رہتی ہیں: ہر سانس، دل کی ہر دھڑکن، کھانے کا ہر لقمہ، پانی کا ہر گھونٹ، بیماری سے ہر شفا، جسم کے ہر حصے کا، یہاں تک کہ ہر خلیہ کا تحفظ، ہر لمحہ، ہر آنٹ سے تحفظ۔ یہ سب شکر کر کے لازوال نعمتیں کمانے کے مواقع ہیں۔ ہم ان کو انکشاف کرتے رہتے ہیں۔

مصیبت پڑے، تکلیف ہو، تو ہمیں لازماً احساس ہوتا ہے، ہم داؤد ادا کرتے ہیں۔ مگر کتنی ہی بڑی مصیبت ہو، اسے بھی گزر جانا ہے۔ لیکن اپنی بساط بھر صبر کرنے سے، مصیبت اور تکلیف بھی ہمیشہ کی اور ہمیشہ بھاننت اور خوشی بن جاتی ہے۔ اس طرح، مصیبت کیوں، درد و الم کیوں؟ ہر ذہن کا، ہر فلسفہ کا، ”پے پیچیدہ اور لاپرواہی“ سوال، کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ مصیبت اور نعمت برابر ہیں، دونوں ابدی انعام و راحت کمانے کا ذریعہ۔

فانی نعمت پر اگر آدمی اترانے لگے، اپنے زور بازو کا نتیجہ سمجھے، تو وہ ایک مصیبت ہے، اور اس کا انجام ہمیشہ کا درد و الم۔ فانی مصیبت پر اگر آدمی صبر کرے، اللہ کی طرف سے جنت کمانے کا ذریعہ سمجھے، تو وہ ایک نعمت ہے، اور اس کا انجام ہمیشہ کی خوشی و راحت۔



حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے ایک ہاشت بھر زمین کے برابر ظلم کیا (اتے غصب کیا) اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا (جنہیں وہ اٹھائے اٹھائے پھرے گا) (بخاری، مسلم، بحوالہ ریاض الصالحین باب تحریم الظلم)

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کسی مسلمان کا کوئی حق مارا، اللہ نے اس پر آگ واجب کر دی اور جنت حرام کر دی۔ ایک آدمی نے پوچھا: اگرچہ کوئی بالکل معمولی چیز ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو (مسلم، بحوالہ ایضاً)

معاملات اور انسانی حقوق کی رعایتی کا اس سے بڑھ کر کیا بیان ہو سکتا ہے۔ ہاشت بھر زمین کے بارے میں ظلم، اور سات زمینوں کا بوجھ! ایک پیلو کی لکڑی کا حق اور آگ واجب، جنت حرام! ذرہ برابر بھی ضمیر میں ایمان بالغیب کی روشنی ہو، تو ایک بندہ مومن کسی کا حق مارنے کی جرات کیسے کر سکتا ہے؟

کتے دین کا نام لینے والے، خوبصورت تحریروں اور تقریروں والے، اقامت دین کا نام چنے والے، دین کے اس اہم ترین پہلو سے غافل ہیں، اور خود اپنی زندگی میں دین قائم کرنے سے قاصر۔ ان کے ہاتھوں اللہ کا دین جیسے قائم ہو، بندوں کا حق مارنے والوں کو اللہ اپنے نام پر اپنے بندوں کا حکمران کیوں بنائے!



حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اپنے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو۔۔۔ عزت کے معاملہ میں یا کسی بھی چیز کے بارے میں۔۔۔ وہ آج کے دن ہی اس سے معاف کرا لے، اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار ہوں نہ درہم: (کیونکہ اس دن) جتنا ظلم اس نے کیا اتنی اس کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس پر لہ دی جائیں گی (بخاری، بحوالہ ایضاً)۔

حق مارنے، عزت پر دست درازی یا زبان درازی، جیسے گناہوں کے وبال سے چھٹکارا، قصاص یا معافی

کے علاوہ کچھ نہیں۔

معاف کرانے کا وقت آج ہی ہے نکل (موت کے بعد) نہ دیت دینے کے لیے مال ہو گا نہ معافی مانگنے کا موقع ' (الایہ کہ اللہ اپنی رحمت ہی سے کوئی نیکیل پیدا کرتے)۔
کل اگر معاوضہ دینا ہوا تو قیامت کے دن صرف اعمال کی دولت دی جاسکے گی۔ اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیوں سے ہاتھ دھو کے یا مظلوم کی برائیوں کا بوجھ اپنے اوپر لا دے۔



حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص کسی معاہدہ کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا جب کہ جنت کی خوشبو ۴۰ برس کے فاصلے سے پائی جاسکتی ہے (بخاری، بحوالہ مشکوٰۃ 'باب کتاب القصاص)۔
ایک روایت میں ہے: ہر برس انسانی، ایک اور روایت میں ہے: ۱۰ برس (ابن حبان) اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا (ابوداؤد)۔
معاہدہ وہ غیر مسلم ہے جو تحفظ امن یا شہریت کے معاہدہ کی بنا پر مسلمان ملک میں رہ رہا ہو۔
مسلمان معاشرہ میں رہنے والے عیسائی، یہودی، ہندو، دیگر کافرین کی جانیں بھی اسی طرح محترم و محرم ہیں جس طرح مسلمانوں کی جانیں۔
قانونی حق ثابت ہوئے بغیر جو مسلمان ان میں سے کسی کا خون بہائے گا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔



حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:
بہت کم ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو ایسی بات پر جو آپ کو ناپسند ہوتی منہ در منہ ٹوکتے۔
ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں آیا اس (کے لباس) پر زردی کا نشان تھا۔ جب وہ مجلس سے اٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: اگر یہ اس زردی کو بدل دے، اتنا یا صاف کر دیتا (تو بہتر ہوتا)
(المادب المفرد، بحوالہ عبدالغفار حسن، انتخاب حدیث، ص ۸۳)
منہ در منہ ٹوکتا منع نہیں، لیکن یہ حضورؐ کے اخلاق کریمانہ، آپؐ کی حیا و مروت اور کمال شفقت و رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ایسا کرنا پسند نہ کرتے۔
اصلاح و تربیت میں انسانی نفسیات کا لحاظ، حکمت کا ضروری تقاضا ہے۔ دو سروں کے سامنے ٹوٹے جانے

سے انسان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس میں فوراً مخالفانہ رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ وہ تاویل اور دفاع پر اتر آتا ہے۔ اس لیے تنہائی میں نیا کسی کے ذریعہ تنقید کے موثر ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

اسی لحاظ سے ’حضور‘ کا ایک حکیمانہ طریقہ یہ بھی تھا کہ آپؐ نام لے کر تنقید و احتساب کرنے کے بجائے عام انداز میں نصیحت فرماتے کہ ”لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ۔۔۔“۔



حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(دین کی باتیں) سکھاؤ، مگر آسانی پیدا کرو، سکھاؤ مگر آسانی پیدا کرو، (سکھاؤ مگر آسانی پیدا کرو) تین بار ارشاد فرمایا۔ اور جب غصہ کا غلبہ ہو تو خاموشی اختیار کرو، یہ دو بار ارشاد فرمایا (المادب المفرد، بحوالہ ایضاً، ص ۸۲)۔

حضورؐ نے آسانی پیدا کرنے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ دین آسان ہے۔ دین کی تعلیمات کو سیکھنے والوں کے مزاج، استعداد، پسند اور ناپسند کے لحاظ سے آسان، اور غلو، باریک بینی اور سختی و تشدد سے پاک ہونا چاہیے۔ تعلیم کا طریقہ بھی سہولت اور نرمی پر مبنی ہونا چاہیے۔

غصہ اپنی ذات کی خاطر بھی آسکتا ہے، سیکھنے والے کی کم فہمی، غلطی، غلطی پر اصرار، ضد اور ہت دھرمی، بے ادبی اور بد تمیزی کی وجہ سے بھی۔ غصہ کے غلبہ کے بعد اس کا امکان ختم ہو جاتا ہے کہ تعلیم اور نصیحت اثر کرے گی۔ انداز، لہجہ، آواز، الفاظ، سب میں شدت ہوگی۔ دل سوزی اور خالص خیر خواہی بھی ختم ہو جائے گی۔ سیکھنے والے میں بھی رد عمل پیدا ہو گا۔

اس لیے غصہ آجائے تو جس کے پیش نظر اصلاح ہو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے --- وہ ہے خاموشی۔ خواہ اصلاح کرنے والے والدین ہوں یا اساتذہ 'داعی' و 'اعظا' ہوں۔ خاموشی نہ اختیار کی تو قوی امکان ہے کہ ناصح و معلم اپنے اعمال بد میں اضافہ ہی کر لے گا۔